مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

رحمۃ للعالمین

کون ہے جو مخلص دوستوں کے ساتھ دوستی کا حق نہیں ادا کرتا؟ کون ہے جو خیر خواہوں کے حق میں خیر خواہی کا سلوک نہیں کرتا؟ کون ہے جو احسان کرنے والوں کے ساتھ احسان کرنے کا جذبہ نہیں رکھتا؟ نیکی کے جواب میں نیکی، احسان کی جزا میں احسان اور دوستی کے صلے میں مہربانی ایک ایسی عام فطرت ہے جس سے عام انسان تو کیا حیوانات بھی خالی نہیں۔ اس سلسلے میں انسانیت کو تین طبقوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔

بدترین انسان وہ ہے جو نیکی کا بدلہ بدی سے دے۔

شریف انسان وہ ہے جو نیکی کا بدلہ نیکی سے دے۔

اعلیٰ ترین انسان وہ ہے جو بدی کا بدلہ نیکی سے دے۔

ان تینوں طبقوں میں سے ہر ایک کے مختلف درجات ہیں۔ مثلاً ۲ کے کئی درجے یوں ہیں:

نیکی کا بدلہ ویسی ہی نیکی سے دینے والا۔ یا اس سے کم تر نیکی۔ یا اس سے برتر نیکی سے بدلہ دینے والا۔ پھر اس کے ساتھ بدی کے جواب میں کوئی بدی نہ کرنے والا۔ یا ایسی ہی بدی یا اس سے کمتر بدی یا اس سے بڑھ کر بدی سے جواب دینے والا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند ترین انسانی و اخلاقی قدروں کا اندازہ کرنے کے لیے محض یہ نہ دیکھیے کہ آپ نے اپنے خیر خواہوں، جاں نثاروں، محسنوں اور دوستوں کے ساتھ کیا سلوک کیا اور ان کی نیکیوں کا صلہ کن نیکیوں اور احسانوں سے دیا۔ اگر آنحضور نے ابوبکر و عمر صلوات اللہ علیہما کو اعلیٰ درجات سے نوازا تو کہنے والے کہہ سکتے ہیں کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ دوستوں کو سبھی نوازتے ہیں۔ اصل نوازش تو وہ ہے جو دشمنوں پر کی جائے۔

آئیے صرف اسی ایک نقطۂ نظر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ پر ایک سرسری

نظر ڈالیں۔ یہ پوری سیرت نہیں۔ سیرت کا ایک گوشہ ہے اور ایسا گوشہ ہے جو پوری زندگی ساری سیرت اور تمام و کمال مشن کو پرکھنے کی مکمل کسوٹی ہے۔

آنحضرتؐ چالیس سال کی عمر تک اپنی ساری قوم میں نہایت ہر دلعزیز اور محبوب رہے۔ لیکن پیغام نبوت سنتے ہی اپنے اور بیگانے سب دشمن ہوگئے۔ صرف چند سعید روحیں تھیں جو ایمان لائیں ورنہ سارا عرب ہی دشمن ہوگیا۔ یہ سب کے سب کھلے دشمن تھے اور ان کی دشمنی محض زبانی و کلامی حد تک محدود نہ تھی بلکہ دل و دماغ، ہاتھ پاؤں اور زبان و قلم سب کے سب دشمنی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مخالفانہ پروپیگنڈا، دل آزاری، طعن و ملامت، تنابز بالالقاب، الزام تراشی، استہزا، شور و شغب اور تکذیب کا کون سا دقیقہ تھا جو اٹھا رکھا گیا ہو؟ جسمانی اور روحانی ایذا رسانی کی وہ کون سی قسم تھی جو استعمال نہ کی گئی ہو؟ راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ گزرگاہ میں گڑھا کھود کر گرانے کی کوشش کی گئی۔ گلے میں کپڑے کا پھندا ڈال کر کسا گیا۔ پیٹھ پر عین سجدہ کی حالت میں اوجھ کا بوجھ ڈالا گیا۔ جدھر تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے، ادھر شور و غل، گالیوں اور تالیوں سے آواز دبائی گئی۔ مجنون، شاعر، اقتدار کا بھوکا اور کذاب کہا گیا۔ برسوں مکمل مقاطعہ جاری رکھا گیا۔ پتھر برسا کر زخمی کیا گیا۔ کیا کچھ نہیں کہا گیا۔ لیکن کیا اس پوری زندگی میں ایک موقع بھی ایسا آیا جبکہ حضور کی زبانِ اقدس سے ان ظالموں کے حق میں کوئی سخت لفظ، کوئی بے صبری کا کلمہ، کوئی تشنیع و طعن کا جملہ، یا کوئی بددعا کے الفاظ نکلے ہوں؟ ہاں دعائے ہدایت کے کلمے ضرور زبانِ مبارک پر آئے ہیں۔

یہ ذاتی ایذائیں تھیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان سے حضور کو کوئی رنج اور کوئی تکلیف نہ پہنچی ہوگی؟ لیکن بات اسی پر محدود نہ تھی۔ آنحضرتؐ کو اس سے بھی زیادہ اذیت یہ دیکھ کر ہوئی تھی کہ ابوبکرؓ کو مار مار کر بے ہوش کیا جا رہا ہے۔ عثمان کو چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے اتنا دھواں دیا جا رہا ہے کہ دم گھٹنے لگتا ہے۔ یاسرؓ اور سمیہؓ کو بڑی بڑی اذیتیں دے دے کر قتل کیا جا رہا ہے، عمار، ابو فلیہہ اور بلال کو گرم ریت پہ لٹا کر سینے پر گرم گرم پتھر کا بوجھ ڈالا جا رہا ہے۔ زنیرہؓ اور لبینہؓ، ہندیہ اور ام عُبیس وغیرہ کو روح فرسا مظالم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ کسی کو دہکتی ہوئی سلاخوں سے داغا جا رہا ہے اور کسی کو پانی میں غوطے دیے

جا رہے ہیں۔ کسی کو حبس بے جا میں رکھا جا رہا ہے اور کسی کی گردن میں رسی ڈال کر گلی گلی پھرایا جا رہا ہے۔ اپنے مخلص ترین جاں نثاروں کی یہ اذیتیں حضور کے لیے خود اپنی اذیتوں سے کم نہ تھیں بلکہ ذہنی لحاظ سے ان سے بھی زیادہ تھیں اور سب سے زیادہ روحانی اذیت تو حضور کو اس بات سے تھی کہ یہ منکرین اس پیغام کو قبول کرنے سے کیوں گریزاں ہیں جو ساری دنیائے انسانیت کے لیے اور خود ان کے لیے بھی دونوں جہان کی سرفرازی کا سبب ہے۔

ان تمام جسمانی اور ذہنی تکلیفوں کو سامنے رکھیے جو مکی زندگی کے تیرہ سالوں میں مسلسل پہنچائی جاتی رہیں یہاں تک کہ حضورؐ کو اور حضور کے تمام جاں نثاروں کو مکہ چھوڑنا پڑا اور مدینہ پہنچ کر بھی ان کی ریشہ دوانیاں مسلسل جاری رہیں۔

مکہ میں تمام دشمنوں کی قیادت ابوجہل (عمرو بن ہشام مخزومی) کے ہاتھ میں تھی لیکن جب یہ بدر ۲ھ میں مارا گیا تو قریش کی قیادت ابوسفیان بن حرب کی طرف منتقل ہو گئی۔ گویا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ مکی زندگی کی تمام ایذا رسانیوں کا باعث ابوجہل تھا اور رمضان ۸ھ تک کے مدنی دور میں تمام جنگوں، دشمنیوں، مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کے ہیرو ابوسفیانؓ تھے۔ قریش کی قیادت ہر کس و ناکس کے حصے میں نہیں آ سکتی تھی جب تک وہ اپنے کردار کے لحاظ سے قریشی کسوٹی پر پورا نہ اُترے۔

ذرا یہ منظر آنکھوں کے سامنے لایئے کہ مکے سے باہر مَرّ الظہران کے وسیع میدان میں دس ہزار قدوسیوں کا اجتماع ہے۔ ہر فرد مسلح ہے اور سر بکف ہے۔ خیمۂ نبویؐ میں ابوسفیانؓ بیٹھے ہیں۔ حضورؐ کے لیے انتقام لینے کا اس سے بہتر اور کون سا موقع ہو سکتا تھا۔ ابوسفیانؓ اس وقت اکیلے ہیں، بے بس ہیں اور دس ہزار تلواروں کے درمیان گھرے ہوئے ہیں۔ ایک اشارے میں ان کی بوٹیوں کا قیمہ اور ہڈیوں کا سرمہ بن سکتا تھا۔ آٹھ سال سے ہر ممکن دشمنی کے قائد چلے آ رہے ہیں۔ مکافات کا فطری قانون انتقام کا مطالبہ کر رہا ہے۔ مگر آج جذبۂ انتقام کی تمام شدتیں سراپا رحمتیں بن گئی ہیں۔

حضورؐ نے پوچھا: "کیوں ابوسفیان! کیا تمھیں اب بھی شک ہے اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں؟"

جواب دیا: "اگر اللہ کے سوا کوئی اور اِلٰہ ہوتا تو آج ہماری مدد ضرور کرتا۔"
سوال: "کیا تمھیں اس میں شک ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟"
جواب ملا: "ہاں اس میں تو ابھی شک ہے۔"

اس جواب کے دو پہلو قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ رسالت کا انکار یا رسالت میں شک بجائے خود قتلِ ابو سفیان کا سبب بن سکتا تھا لیکن رحمت نبوی نے یہ سوچ کر چھوڑ دیا کہ جس نے آج لاالہ الااللہ کا اقرار کرلیا ہے وہ کل محمد رسول اللہ کا بھی اقرار کرلے گا۔ دوسرے یہ کہ ابو سفیان اونچے کردار کے صاف گو انسان تھے۔ دس ہزار تلواروں کے درمیان بھی وہی بات کہی جو دل میں تھی۔ ورنہ جان کے خوف سے کسی بہانے رسالت کا اقرار کر لینے سے کون سی چیز مانع تھی۔ اونچے کردار کے لوگ دشمن ہوتے ہیں تو سچے دل سے ہوتے ہیں اور دوست ہوتے ہیں تو وہ بھی سچے دل سے ہوتے ہیں۔ جناب عباسؓ بن عبدالمطلب آنحضورؐ کے حقیقی چچا تھے۔ بدر میں حضورؐ سے جنگ کرنے آئے تھے لیکن جب ایمان لائے تو پکے دوست اور سچے مومن ہو گئے۔

اقرارِ الوہیت کے بعد حضورؐ نے جناب ابو سفیانؓ سے درگزر فرمایا حالانکہ انتقام کا پورا پورا موقع موجود تھا۔ بلاشبہ یہ عفو و درگزر کی بڑی اونچی مثال ہے۔ لیکن رحمت کا معاملہ یہیں نہیں ختم ہو جاتا۔ ابھی رحمت کے تقاضے اور بھی ہیں جو ظہور کے لیے بے چین ہیں۔ چند دنوں کے بعد ہی مکّے میں فاتحانہ داخلہ ہوتا ہے۔ ایک حملے میں سارا مکّہ خاکِ سیاہ اور سارے اہلِ مکہ کی لاشیں گدھوں کی غذا بن سکتی تھیں۔ ان دشمنوں کو روند ڈالنا ذرا بھی دشوار نہ تھا۔ مگر دیکھیے داخلہ کس طرح ہوتا ہے اور دریائے رحمت کس طرح جوش میں آتا ہے۔ تمام جاں نثاروں کو حکم دیا جاتا ہے کہ:

۱۔ جو مقابلے پر نہ آئے اسے نہ قتل کیا جائے۔
۲۔ مقابلے پر آنے والا اگر ہتھیار پھینک دے تو اسے نہ قتل کیا جائے۔
۳۔ جو مقابلے سے بھاگ جائے اس کا پیچھا نہ کیا جائے۔
۴۔ بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔

۵۔ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے اسے پناہ۔

۶۔ جو حرم میں داخل ہو جائے اسے پناہ

۷۔ اور جو ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے اسے پناہ۔

اللہ اکبر! مکہ سے باہر تو صرف درگزر کا نادر نمونہ تھا مگر مکہ کے اندر پہنچ کر ابرِ کرم پوری طرح برسنے لگا۔ جناب ابوسفیانؓ کو وہ درجہ ملا جو اُن کے خواب و خیال میں بھی نہ آسکتا تھا۔ دارِ ابی سفیان کو وہ شرف ملا کہ وہ بیتِ خلیل کی سطح پر آگیا۔ بیتِ ابی سفیان بھی پناہ گاہ بن گیا۔ دنیا میں کون سا صاحبِ رحمت ایسا ہو سکا ہے جو اپنے دشمن کو اسلام لانے سے پہلے یوں معاف کردے اور اسلام لانے کے بعد اس کے گھر کو یہ مرتبہ عطا کردے۔

ابھی رحمت کی داستان ختم نہیں ہوئی۔ حضور کعبہ کے پاس پہنچے اور عثمان بن ابی طلحہ کو بلاکر ان سے خانۂ کعبہ کی چابی لی اور دروازہ کھول کر اندر تشریف لے گئے اور اپنی جبینِ شکر و نیاز خاک پر رکھ دی۔ یہاں پہلے یہ سن لیجیے، مکّی زندگی میں ایک بار حضورؐ نے عثمان بن ابی طلحہ سے (جو کلید بردار کعبہ تھے)، چابی مانگی تھی کہ اندر جاکر نماز ادا فرمائیں۔ مگر انھوں نے چابی دینے سے انکار کر دیا۔ حضورؐ نے فرمایا: اے عثمان! ایک دن یہ چابی میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جسے چاہوں گا یہ چابی دوں گا" بات آئی گئی ہوگئی۔ مہینے پہ مہینے اور سال پر سال گزرتے چلے گئے اور آج وہ چابی حضور کے ہاتھ میں تھی۔ جب سجدۂ شکر ادا فرماکر باہر آئے تو جناب عباسؓ لپک کر آگے آئے اور عرض کیا کہ: یہ چابی میرے حوالے فرما دیجیے" حضورؐ نے فرمایا، الیوم یوم البر والوفاء (آج نیکی اور وفا کا دن ہے)۔ حضورؐ نے انہی عثمانؓ بن ابی طلحہ کو وہ چابی دیتے ہوئے فرمایا: "لو یہ چابی آج میں تمھیں دیتا ہوں اور تم سے جو چھینے گا وہ ظالم ہوگا" حضورؐ کا اشارہ صرف عثمانؓ بن ابی طلحہ کی طرف تھا مگر اُمت نے اس فرمان کا اتنا پاس لحاظ کیا کہ آج چودہ صدیوں سے خانہ کعبہ کی کلید برداری اسی خاندان میں مسلسل چلی آتی ہے۔ اسے شیبی خاندان کہتے ہیں۔ جب بھی درِ کعبہ کھولنے کی ضرورت ہو تو انہی سے درخواست کی جاتی ہے۔

آپ نے دیکھا؟ بات صرف اسی قدر نہیں کہ حضورؐ نے عثمانؓ بن ابی طلحہ سے کوئی انتقام

نہیں لیا اور درگزر کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا بلکہ قیامت تک کے لیے ایک لازوال شرف بھی عطا فرمادیا۔ اسی کے حوالے کلید کی جس نے کلید دینے سے انکار کیا تھا۔ کسی دوست کو چابی دیتے تو کوئی بڑی بات نہ ہوتی۔ بات تو یہ ہوئی کہ اسی کے ہاتھ میں ہمیشہ کے لیے چابی دی جس سے بظاہر ہمیشہ کے لیے چابی چھین لینی چاہیے تھی۔

رحمت کا معاملہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ یہ تو انفرادی نظیریں تھیں۔ آگے اجتماعی انداز کی رحمت ظہور میں آئی۔ حضورؐ اب ان ظالموں کی طرف متوجہ ہوئے جو مجرموں اور قیدیوں کی طرح صف بستہ اور دست بستہ کھڑے تھے۔ ان کے سروں پر موت منڈلا رہی تھی۔ دل لرز رہے تھے۔ انھیں اپنی وہ تمام ایذائیں یاد آرہی تھیں جو یہ حضورؐ کو، حضورؐ کے جاں نثاروں کو اب تک پہنچاتے رہے تھے۔ انھیں بظاہر یہی توقع ہو سکتی تھی کہ سابقہ مظالم کے عوض ان کی بوٹیاں چیلوں کوّوں کو کھلا دی جائیں گی۔ مگر چشمِ فلک نے جو کچھ دیکھا وہ نہ اس سے پہلے دیکھا تھا نہ آئندہ کبھی دیکھ سکے گی۔

حضورؐ نے پوچھا: "آج میرے بارے میں تمھارا کیا گمان ہے؟"

ہر طرف سے آواز آئی: "آپ مہربان بھائی ہیں، اور مہربان بھائی کے فرزند ہیں۔"

ارشاد ہوا: "آج میں تمھارے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے ظالم بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔ آج تم پر کوئی فردِ جرم نہیں لگائی جائے گی۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

یہ تو درگزر کا معاملہ تھا۔ کس کے لیے؟ ان دشمنوں کے لیے جو خون کے پیاسے تھے اور جنھوں نے اکیس سال تک اپنے جور و ستم کا سلسلہ جاری رکھا اور ایک ایک مسلمان کو وطن سے نکال کر بے گھر کر دیا تھا، انھی دشمنوں پر آج یہ نوازش تھی:

آں کہ بر اعدا درِ رحمت کشاد
مکہ را پیغامِ لا تثریب داد

لیکن یہ درگزر تو پہلا قدم تھا۔ دوسرا قدم اس سے بھی بڑا قدم رحمت تھا یعنی انھیں اسلام کی دولتِ لازوال سے سرفراز کیا۔ یہ رحمت و درگزر کی نادر مثال دیکھتے ہیں، سارے

منکرین کسی دباؤ کے بغیر کلمہ پڑھ اٹھے۔ جانی دشمن جانی دوست بن گئے۔ بت پرست بت شکن اور مشرک موحد بن گئے۔ لٹیرے جان و مال اور آبرو کے محافظ ہو گئے۔ درندے انسان اور دختر کش دختر پرور بن گئے۔ جو چند لمحے پہلے تک دشمن تھے وہی چند دنوں بعد معرکۂ حنین میں دست و بازو بن کر ساتھ ہو گئے۔ یہ وہ انعام ہے جس سے بڑا اور کوئی انعام نہیں ہو سکتا۔ دوستوں کو جو نعمت عظمیٰ برسوں پہلے ملی تھی وہ آج ان دشمنوں کو بھی مل گئی۔ دوستوں کو سبھی نوازتے ہیں مگر ایسے خون کے پیاسے دشمنوں کو نوازنے کا حوصلہ اسی کو ہو سکتا ہے جو فقط بالمومنین رؤف رحیم ہی نہیں بلکہ رحمۃ للعلمین بھی ہے
اللہ رب العلمین۔ قرآن ذکر للعلمین۔ کعبہ ھدًی للعلمین اور محمدؐ رحمۃ للعلمین۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ کل تقی۔

پیغمبر انسانیت

از مولانا محمد جعفر پھلواروی

سیرت رسولؐ پر یہ ایک قابل قدر کتاب ہے۔ اس میں صرف واقعات درج کر دینے پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ اس نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے کہ زندگی کے نازک سے نازک مراحل میں آنحضرتؐ نے انسانیت اور اعلیٰ انسانی قدروں کی کس قدر محافظت فرمائی ہے۔

صفحات : ۸ + ۶۲۰ قیمت -/۱۲ روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور